فکر و نظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان میں شریعت (اسلامی قانون) کی عملداری میں تاخیر!!

۱۴ ماہ ——— ملی راہنماؤں کے لیے لمحۂ فکریہ

پاکستان میں "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" کے نتیجہ میں ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو موجودہ عبوری حکومت برسرِ اقتدار آئی تو اس کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان نے اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں اپنے خطابات اور بیانات میں بڑے مخلصانہ اور حوصلہ مندانہ خیالات کا اظہار فرمایا جس سے مسلمانوں کو عموماً اور "تحریکِ نظامِ مصطفیٰ" کے لیے قربانیاں دینے والوں کو خصوصاً امید پیدا ہوئی کہ تیس ۳۰ سال کے شدید انتظار کے بعد اب وہ سعید گھڑی آنے کو ہی ہے جب پاکستان میں سرکاری سطح پر اسلام کا دور دورہ ہو گا۔ یہ خطۂ زمین حسبِ وعدہ ہر ذی نفس کے لیے امن و امان کا گہوارہ بنے گا اور دورِ حاضر میں اسلام کی مثالی تجربہ گاہ اور کلمۃ اللہ کی بلندی کا روشن مینار ثابت ہو گا ..... ان شاء اللہ۔

اب تقریباً چودہ ماہ سے مسلمانوں کا انتظار روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ وہ کون سا مبارک دن ہو گا جب ہماری حکومت ہر عدالتی اور انتظامی حکم کے لیے کتاب و سنت کی مطابقت کا سرکاری اعلان کر دے گی جو پاکستان میں شریعت کی عملداری کی طرف پہلا قدم ہو گا گویا جیسے ایک شہری اسلام کی حدود میں داخل ہونے کے لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا زبان سے اقرار کرتا ہے ایسے ہی حکومت اپنے دستور و قانون میں کتاب و سنت کی بالادستی کے اعلان سے "کلمہ طیبہ" پڑھتی ہے لیکن جہاں یہ انتظار طول طویل ہوتا جا رہا ہے وہاں اسلامی نظام کو ناقابلِ عمل ثابت کرنے اور شریعت کی عملداری کو مشکوک بنانے کے لیے مختلف انداز سے کئی بے کار بحثوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اسلام چودہ صدیاں قبل سے نافذ ہے اگر عوام اسلام پر عمل پیرا ہوں تو کسی اعلان کی ضرورت نہیں۔ کبھی شریعتِ اسلام پر سرکاری طور پر عمل درآمد کے لیے "تدریج" کی باتیں کی جاتی ہیں اور اگر پھر بھی عوام کی

بے قراری باقی رہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ کام دو تین دن میں نہیں ہو سکتا، یہ کام کم از کم دو تین سال میں ممکن ہے۔ سمجھدار مسلمانوں کو ایسے خیالات کی اشاعت سے اگرچہ ان کے بے بنیاد ہونے کا شبہ بھی نہیں پڑ سکتا کیونکہ ان کا ایمان بدیہی طور پر اس فکری غلطی کی نشاندہی کر رہا ہے لیکن جس طرح بعض اسلامی ذہن کی حامل اور اسلام کے نام پر سیاسی قیادت کی دعویدار جماعتوں نے بھی موقعہ بہ موقعہ ان خیالات کی تائید کی ہے یا کم از کم خاموشی اختیار کی ہے اس سے واقعی ملت کے بہی خواہوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ نیز ان جماعتوں کے طرزِ عمل سے بعض سادہ لوح بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ شبہات کے ازالہ کے لیے اسلام کی بنیادی لائنیں واضح کر دی جائیں تاکہ ان شبہات کے مبلغ دانشور طبقہ کی خام خیالی کا پردہ چاک ہو جائے۔

یہ درست ہے کہ اسلام چودہ صدیاں قبل سے مکمل طور پر نافذ ہے[1]۔ اسی لیے ہم نماز روزہ کرتے ہیں لیکن اس سے یہ مطلب لینا بالکل غلط ہے کہ قانونی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی شعبوں میں جن میں آج کل کی حکومتیں تمام عوامی اختیارات کی نمائندہ بنی ہوتی ہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی غیر اسلامی نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ بلا شبہ ان شعبوں میں بھی چودہ صدیاں قبل سے اسلام نافذ ہے اور ان شعبوں میں کلیدی اختیارات کی حامل حکومتیں اور ادارے اسی طرح مخاطب ہیں جس طرح ایک عام آدمی نماز، روزہ کا مخاطب ہے۔ شریعت کے خطاب میں تو نماز، زکوٰۃ کی حد تک بھی شہری اور حکومت کی طبقاتی تقسیم نہیں ہے اور قرآن کریم میں تقریباً ہر جگہ یہ حکم عام ہے۔ بلکہ تمکن فی الارض[2] کی صورت میں زیادہ اختیارات کے حامل ادارے نماز، زکوٰۃ

---

[1] واضح رہے کہ اسلام کے نفاذ کی بات قانونی نقطۂ نظر سے ہو رہی ہے جہاں تک عملی نفاذ کی بات ہے وہ اقرار سے شروع ہو کر پوری زندگی کو اللہ کے حکم کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے اسی لیے ہم عموماً نفاذ اور تنفیذ کے الفاظ سے بچ کر شریعت کے قیام، ترویج اور عملداری کی بات کرتے ہیں تاکہ اشتباہ نہ ہو۔

[2] اللہ کا ارشاد ہے۔ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج : ۴۱) (اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کریں گے) جنہیں اگر زمین میں جگہ ملے تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ ہمارے نزدیک یہ خطاب اگرچہ عام ہے شہری ہو یا حکومت لیکن اختیارات کے مختلف میدانوں میں اس کی ذمہ داریاں حکومت کی سطح پر زیادہ اور زوردار ہیں۔

کے نظام کی ترویج اور دوسروں سے یہ کام کروانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا قانونی حیثیت سے غور فرمائیے تو جن شعبوں میں ہم اسلام کے مخاطب ہو کر شریعت کی عملداری نہیں کرتے ان میں ہم خدائی حاکمیت کے باغی بنتے ہیں۔ جب کوئی قانون نافذ العمل ہو تو اس کی اتباع سے علی الاعلان انحراف "بغاوت" ہوتا ہے ہم چودہ صدیاں قبل سے شریعت کے نفاذ کی بات کر کے "اعلان" سے بچنا چاہتے تھے لیکن اس "صحیح تصوّر" نے ہمیں اسلام کی رُو سے باغی بنا دیا۔ اسی تصور نے "اسلام کے تدریجی نفاذ" کا نظریہ بھی باطل کر دیا کیونکہ شریعت چودہ صدیاں قبل مکمل ہو چکی ہے۔ ہم مکمل شریعت کے ہی مخاطب ہیں۔ انبیاء پر شریعت کے درجہ بدرجہ اترنے کے قیاس سے اب کئی قسطوں میں "نفاذ شریعت" کا اعلان قطعاً غلط ہے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ کلمہ طیبہ کی طرح کا اعلان ہر شخص (فرد ہو یا ادارہ، شہری ہو یا حکومت) کا فوری فریضہ ہوتا ہے اس بارے میں ایک لمحہ کا بھی موقعہ مل جائے تو تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اس سلسلہ میں مخلص مسلمان کا طرزِ عمل حضرت ابوذر غفاری کے اس اظہار سے واضح ہے:-

"اگر تم میری گدی پہ تلوار رکھ دو پھر میں اتنی مہلت پاؤں کہ کلمہ حق زبان سے کہہ سکوں تو اس سے قبل کہ تم میری گردن کاٹو، میں اس کلمہ کو نافذ کر دوں گا۔"

یوں تو دنیا بھر میں مسلمان اپنی حد تک انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اسلامی تعلیمات کو جزوی طور پر اپنائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں میں بھی حکومت کی سطح پر شریعت کے قیام کا نعرہ ایک "مؤثر انقلابی قوت" اختیار کر چکا ہے۔ لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی تحریکوں میں بے پناہ قربانیوں کے بعد جب مملکت میں اسلامی قانون کی عملداری کا مرحلہ آتا ہے تو کبھی پہلے "معاشرتی حالات کو سازگار بنانے" اور کبھی "اسلامی قانون کی متفقہ تدوین" کی باتیں شروع کر دی جاتی ہیں۔ سیاسی اعتبار سے شاید یہ حربہ کامیاب ہو لیکن ذرا اندازہ کیجیے ان زخموں کا جو اسلام کا پھل چکھنے کے لیے "تحریک" کے دوران جیالوں نے اپنا تن من دھن قربان کر کے کھائے ہوئے ہیں کہ انہیں ایسے چرکوں سے تازہ کیا جاتا ہے؟

ہم سمجھتے ہیں ایسی باتوں کا جواب مسلمان کی سوچ سے بڑا سادہ ہے کہ جب اللہ کی کتاب "قرآن کریم" مکمل دستورِ زندگی کی صورت میں تا قیامت نافذ ہے تو کیا اس میں ان الجھنوں کا حل موجود نہیں جو حکومت کی طرف سے کتاب و سنت کی بالادستی کے فوری اعلان کے ضمن میں پیش آ سکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دریا میں کودنے سے قبل ان مشکلات سے خلاصی

حاصل نہیں کی جا سکتی جو تیاری کے دوران میں پیش آ سکتی ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ کتاب و سنت کے عملی نفاذ سے قبل متذکرہ بالا دو مرحلوں سے گزرنا ضروری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہوئے ایک طرف ہر قانونی، عدالتی اور انتظامی حکم کو کفر، ظلم اور فسق سمجھتے ہیں[1] تو دوسری طرف حکومتی سطح پر کتاب و سنت کی دستوری حیثیت یعنی اس اہم شعبہ میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کیے بغیر فضا کی استواری کی امید رکھتے ہیں۔ اگر حکومت کے لیے کتاب و سنت کو اپنائے بغیر فرد و معاشرہ کا مزاج[2] اسلام سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے تو ایک شخص کل کلاں یہ دعویٰ بھی کر سکتا ہے کہ اب معاشرہ کی حالت اسلامی ہو چکی ہے ایسے سلجھے ہوئے معاشرہ کو اپنی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیے، قانونی جبر ایسے معاشرہ کے لیے نامناسب ہے گویا اگر فضا کی استواری دیگر انسانی تدبیروں سے ہی ممکن ہے تو ایسے اہم مرحلہ کو الہامی رہنمائی کے بغیر طے کرنے کے بعد کتاب و سنت کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ جب میدان اس چیز سے ہموار ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ کفر، ظلم اور فسق کہیں تو "کتاب و سنت میں ہی ہماری فلاح و نجات ہے" کے نعرہ کی صداقت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

فضا کے ناموافق ہونے کے ضمن میں بعض حلقوں کی طرف سے شریعت کی عملداری کے لیے ایک اہم رکاوٹ "اسلامی مشینری کا فقدان" پیش کی جاتی ہے۔ یہ بات کسی فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے "مشینری کی ضرورت" کی حد تک تو درست ہے لیکن یہ مشینری ایسے تو حاصل نہ ہو گی کہ نظام وہی باقی رہے اور کارندے بھی وہی براجمان رہیں بلکہ اس سلسلہ میں انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ جو لوگ اسلام کے نام پر دیوانے ہو کر قاہر اور جابر قوتوں کو سرنگوں کر سکتے ہیں وہ ان شاء اللہ اتنے تہی دامن ثابت نہ ہوں گے کہ معاونین کی معتد بہ

---

[1] ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون .... ھم الظٰلمون ...... ھم الفٰسقون (المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷) اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (کتاب و سنت) کے ساتھ (قانونی، عدالتی یا انتظامی) حکم نہ کرے، یہی لوگ کافر ہیں ...... ظالم ہیں ...... فاسق ہیں۔

[2] فرد و معاشرہ کی زندگی کی صرف وہ حدود کار مراد ہیں جو حکومت کے کنٹرول میں ہیں جن کا اثر نجی زندگی پر بھی پڑتا ہے اگرچہ نجی حیثیت سے فرد غیر اسلامی حکومت میں بھی جزوی طور پر شریعت پر عمل کر سکتا ہے لیکن جب وہ مکمل شریعت کا مخاطب ہے تو اس حالت پر مطمئن نہیں رہ سکتا۔

تعداد متعلقہ شعبوں کے لیے پیش نہ کر سکیں بلکہ یہ خیال بھی موہوم ہے کہ جملہ مشینری کی تبدیل کرنی پڑے گی

جو لوگ کم از کم ذہنی طور پر مسلمان ہوں ان کی اسلامی تربیت کا انتظام کر دیا جائے بلکہ ہنگامی طور پر اسلام کی سمجھ رکھنے والے اشخاص کا تعاون ہی حکومت کی گاڑی کو اسلامی طرز پر چلا سکتا ہے اور انہی اشخاص کی رفاقت میں کام کرنے سے دوسروں کی کسی حد تک تربیت بھی ہو جائے گی۔ البتہ ان لوگوں کو کلیدی جگہوں سے ہٹانا ضروری ہو گا جو اپنے اختیارات سے موجودہ نظام میں تبدیلی لانے میں رکاوٹ ہیں۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ افراد یا نظام کی تبدیلیوں سے سارا معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا کیونکہ ظاہری طور پر انسان ایسا محسوس کرتا ہی ہے جیسے دنیا میں بڑے بڑے عبقری (GENIUS) آتے اور پھر جاتے رہے۔ ان کے انتقال کو اس طرح محسوس کیا گیا جس طرح ایک جہان چلا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ خلا پُر ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بات تو دنیاوی امور میں نظر آتی ہے جو لوگ خدا کی دین کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ ان کی خصوصی مدد فرماتا ہے ارشاد ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ[1] (الحج: ۴۰) شرط صرف یہ ہے کہ تدبیروں کے ساتھ ساتھ تقدیروں کے مالک پر "توکل" کیا جائے۔ ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[2] (الطلاق: ۳) اس لیے ہم اس خیال کو صحیح نہیں سمجھتے کہ موجودہ مشینری اسلام کی عملداری میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ البتہ اگر خدا پر توکل کے ساتھ اپنی حالت خود بدلنے کی کوشش کرنے کی بجائے کسی غیر اسلامی نظام کی تربیت یافتہ مشینری پر تکیہ کر لیا جائے تو واقعی پھر کسی اصلاح کی امید نہیں کرنی چاہیے۔ ہم کمیونسٹ انقلابیوں کو دیکھتے ہیں جو مشکل ایک فی صد اقلیت کی سازشی قوت سے برسر اقتدار آتے ہیں لیکن بیانگ دہل پہلے ہی روز کمیونسٹ کلمہ "عوامی حاکمیت" کا اعلان کرتے ہیں پھر مسلم معاشروں میں سے ہی انہیں وہ مشینری بھی میسر آجاتی ہے جو کمیونسٹ انقلاب کے مکمل کرنے میں مدد دیتی ہے[3] جبکہ مسلم معاشروں میں سیاسی اسلامی تحریکیں نوے فیصد عوام کی حمایت اور تائید پناہی کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن جب برسر اقتدار آتے ہیں تو معاشرہ کی ناموافق فضا کا گلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اپنا ایمان متزلزل ہو تو پھر فضا غیر موافق ہی نظر آتی ہے۔ مومن کا کام ہے صحیح سمت چل پڑنا۔

---

[1] وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ یعنی اللہ ان کی ضرور مدد کریں گے جو اللہ کی مدد کریں۔

[2] جو اللہ پر توکل کرے اللہ اسے کافی ہے۔ [3] افغانستان کے حالیہ انقلاب کے صرف ایک مہینہ بعد معیشت کو غیر سودی بنیادوں پر استوار کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

فضا کو صاف کرنا اور موافق بنانا اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ اللہ پر توکل کر کے دستوری حیثیت سے کتاب و سنت کی بالادستی کا اعلان کر دیا جائے تو کتاب و سنت کے خادموں کی کمی محسوس نہ ہو گی جب کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف کر کے "مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ" کا نعرہ لگاتا ہے تو اسے خدائی خدمتگار مل ہی جایا کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے راشدین سے لے کر زمانۂ حال تک کسی علاقہ میں جب کسی صاحبِ اختیار نے خدائی قانون کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے مجاہدانہ جراُت کا مظاہرہ کیا ہے تو اسے خائب و خاسر نہیں ہونا پڑا۔ دور کیا جائیے دورِ حاضر ہی کی ایک مثال حجاز مقدس میں سعودی حکومت کا قیام اور شریعت کی عملداری کی پیش کی جا سکتی ہے۔ سعودی حکومت کے آنے سے قبل وہاں کی دگرگوں حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حج پر جانے والے زندگی بھر کے معاملات سے عہدہ برآ ہو کر اس خیال سے سفر کیا کرتے تھے کہ صحیح سلامت واپسی کا امکان کم ہی ہے لیکن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے جن لوگوں کو سادہ انداز میں سلفی عقیدہ کے ساتھ جہاد کے جذبہ سے سرشار کر دیا تھا ان کی مٹھی بھر تعداد نے چند دنوں میں حجاز کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اپنے رب پر کامل ایمان اور اسلام پر غیر متزلزل یقین رکھنے والوں نے لمحہ بھر کے لیے فضا کی عدم موافقت کا احساس رکھنا گوارا نہ کیا اور قوت حاصل کرتے ہی نہ صرف وہاں نظامِ شریعت قائم کرنے کا اعلان کر کے انقلابی تبدیلیاں کیں بلکہ توحید پر مبنی اپنے مخصوص اعتقادات کو بھی عملی جامہ پہنایا حالانکہ یہ وہ دور تھا کہ شرعی پابندیوں کو نادرا سمجھنے والے تو ان کے مخالف تھے ہی خود کو دیندار کہنے والے لوگوں میں بھی ان کے خلاف غلط فہمیوں کی بنا پر سخت نفرت پائی جاتی تھی اور دنیا بھر میں ان کے خلاف بزرگوں کی توہین کا غلط پروپیگنڈا بھی کامیاب ہو چکا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے نسبت اور وہابی کا لفظ آج تک ایک مذہبی گالی شمار ہوتا رہا ہے۔ انگریز سامراج نے بھی ہند میں شہیدین کی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے "وہابی" کو EXPLOIT کر کے خوب سیاسی فائدہ اٹھایا حتیٰ کہ سرکاری سطح پر یہ لفظ "باغی" کے مترادف سمجھا جاتا رہا۔

ان اندرونی اور بیرونی الجھنوں اور رکاوٹوں کے باوجود سعودی عرب میں شریعت کی

۱؎ آل عمران: ۵۲ یعنی اللہ کی طرف میرا کون مددگار ہے؟

عملداری کا کامیاب تجربہ ان بے یقین لوگوں کا جواب بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی کامیاب کوششوں کو صرف ان کی شخصیتوں کا خاصہ قرار دے کر فرار کی راہ نکال لیتے ہیں یا حالات کے مختلف ہونے کا فلسفہ بگھار کر آتے ہیں۔ لیکن تعجب اس وقت ہوتا ہے جب دوسرے ہی سانس میں یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے افرادِ امت کی تربیت کی تھی۔ اس سے وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جس طرح تدریج سے شریعت مکمل ہوئی اسی طرح پہلے تدریج سے تربیت مکمل ہونی چاہیے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ "تدریج" کا نظریہ غلط ہے کیونکہ اب ہم مکمل شریعت ہی کے مخاطب ہیں اسی طرح اگر بات لوگوں کو مومن بنانے کی ہو تو اس کے لیے یقیناً تزکیہ کا وہی طریقہ کار ہے لیکن یہاں اصل مسئلہ حکومت کے شریعت کے مکلف ہونے کا ہے تاکہ حکومت کی سطح پر اسلامی قانون کی بالادستی سے ساری ملت کا رخ ایک ہو جائے کیونکہ جب نجی حیثیت سے پوری قوم کتاب و سنت کی مخاطب ہو تو سیاسی اور انتظامی حاکمیت بھی اسی کی ہونی چاہیے تاکہ نجی اور سرکاری حیثیت سے ملت میں وحدت قائم ہو۔ کتاب و سنت کی بالادستی کے سرکاری اعلان کا مطالبہ اس لیے ہے کہ اس ثنویت کا خاتمہ ہو سکے کہ ہم ایک طرف شریعت کے تحت انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں اللہ کی مکمل اطاعت کے نظام سے وابستہ ہوں اور دوسری طرف عملاً ہم اپنی اجتماعی زندگی کے اہم میدانوں میں غیر شرعی قانونِ مملکت کی بھی اطاعت کر کے شریعت کے باغی نہ بنیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز "تزکیہ نفس" کی بجائے "سیاسی اقتدار" سے متعلق ہے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی اقتدار کے تحت جب بھی کوئی فیصلہ یا حکم جاری فرمایا تو وہ بموجب حکمِ الٰہی فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ[ب] اللہ کی شریعت سے ہی جاری فرمایا حالانکہ جس سیاق و سباق میں یہ آیت اتری وہ یہود سے متعلق ہے گویا یہود کے درمیان فیصلہ میں بھی شریعت الٰہی سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں جب غیر مسلم علاقے فتح ہوتے رہے تو ان میں فوری طور پر شریعت کے نفاذ کا اعلان ہوتا رہا کبھی کسی نے پہلے ذہنی تربیت یا معاشرتی استواری کا انتظار نہ کیا۔ ہمارے ہاں تو الحمد للہ مسلم آباد ہیں۔ غیر تربیت یافتہ ہی سہی۔ شریعت کے باغی تو نہیں ہیں پھر آخر راہِ اگو اقتت

ب المائدہ: ۴۹۔ ان کے درمیان اللہ کے قانون سے ہی فیصلہ فرمائیے اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کیجیے۔

قانون کے تحت بھی فیصلے ہو رہے ہیں۔ سزائیں بھی دی جا رہی ہیں جب کہ بموجب فرمانِ الٰہی وَ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولٓئک ھم الظلمون[1]۔ اگر کوئی شخص اس کو ظلم قرار دے تو ہمارے پاس کیا جواب ہے؟

بالفرض اگر مروجہ قانون و نظام کے فوری خاتمہ سے قانون و ضابطہ کا خلا بھی تسلیم کر لیا جائے (حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے) تو ایسی صورت میں بھی شریعت کے تحت سمری فیصلے اور مارشل لاء احکام کی طرح شرعی احکام قرآن کی رُو سے موجودہ ظالمانہ نظام سے بدتر تو نہ ہوں گے۔ آخر دنیا بھر میں عبوری دور کے لیے مارشل لاء کے فوری ضوابط اور احکام سے بھی کاروبارِ حکومت چلتا ہے۔

جہاں تک "اسلامی قانون کی تدوین" کا تعلق ہے اول تو یہ چیز ہی بنیادی طور پر غلط ہے کہ کتاب و سنت جیسے "دستورِ زندگی" کے علاوہ کسی دوسرے مدون قانون کو اسلامی ریاست کا مستقل دستور قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ ایسے کسی بھی مدون قانون کی حیثیت ذیلی یا مددگار قانون کی ہوگی کیونکہ مستقل حیثیت صرف کتاب و سنت کو ہی حاصل ہے جو ابدی دستور ہے اسی لیے اس کی تدوین بھی ایسے انداز کی ہے جو زندگی کی فطری راہنمائی سے مناسب ہے۔ باقی قانون خواہ انسانی ذہنوں کی اختراع ہوں یا کتاب و سنت سے انسانی سوچوں کا حاصل وہ اپنی طرز کے معاشروں میں مقامی اور ہنگامی راہنما قانون تو قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن اسلامی ریاست جیسے مستقل ادارے کا پائیدار قانون نہیں بن سکتے، تاہم کسی وقتی ضرورت کے پیشِ نظر "تدوین" کو بڑی اہمیت بھی دے دی جائے تو الحمد للہ اس سلسلہ میں کسی سر دردی کی ضرورت نہیں کہ وہ اعلانِ شریعت میں تاخیر کا سبب ہو۔ ہمارے ہاں محدثانہ اور مخصوص فقیہانہ انداز کے اتنے مدون مجموعہ جات موجود ہیں کہ ان کو گننے اور صرف تعارف کرانے کے لیے بیسیوں جلدوں پر مشتمل کتابیں تیار کی جا سکتی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ایسے بیش قیمت تذکرے دنیا بھر کی مشہور زبانوں میں موجود بھی ہیں۔ فقہ و قانون کے تقابلی مطالعہ کی کتب تو جدید معاشروں میں نئے پیدا شدہ مسائل پر بصیرت افروز راہنمائی کا کام بھی دے سکتی ہیں اور نجی سطح پر علماء اور مفتی حضرات انہی سے در پیش مسائل کا جواب دیتے بھی رہتے ہیں۔

---

[1] المائدہ: ۴۵۔ جو کوئی شریعت سے حکم نہ کرے وہ ظالم ہیں۔

آخر نجی طور پر یہ کام پہلے چل رہا ہے تو سرکاری سطح پر کیوں نہیں نہیں چل سکتا؟ اگر زیادہ اہم معاملہ ہو تو اسی طرح علماء اور ماہرین پر مشتمل اسلامی کونسل سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذیلی اور مددگار قانون میں اگر اتفاق رائے ممکن ہو تو یہ الہامی قانون کے قائم مقام ہوگا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ براہِ راست خدائی رہنمائی (نبوت) کے سوا انسانی سوچ پہلودار ہوتی ہے۔ اس میں اتنی جامعیت اور ابدیت نہیں ہو سکتی جو خدائی قانون کی جگہ لے سکے۔ بالفرض اگر ایسا پہلودار قانون مستقل دستورِ مملکت قرار دے دیا جائے تو یہ ترقی پذیر معاشرے کے لیے پاؤں کی زنجیر ثابت ہوگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے علاوہ کوئی مدوّن قانون متفقہ بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ کتاب و سنت کی تعبیر میں اختلاف کے کچھ پہلو واقعی ضرر رساں ہیں لیکن اس اختلاف کا ایک روشن پہلو قانون کی لچک دار اور ارتقاء[1] پذیر شکل کو باقی رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس لیے بیک وقت یہ دو فائدوں کا حامل ہے۔ درپیش مسئلہ میں "فتویٰ" کی حیثیت سے اور آئندہ کے مسائل میں قانونی رہنما کی حیثیت سے۔ پھر جب مستقل قانونی حیثیت سے کتاب اللہ کیلئے سنت رسول اللہ کی صورت میں ایک متفقہ[2] تعبیر اسوۂ حسنہ (عملی نمونہ) کی صورت میں موجود ہے تو اس ابدی تعبیر کو اپنانے کے دوران جزوی مسائل میں اجتہادات کا جو اختلاف رونما ہوتا ہے اس کا ضرر رساں پہلو مزید کمزور پڑ جاتا ہے۔

---

[1] ارتقاء سے مراد زمانی ارتقاء نہیں کیونکہ ایک ہی زمانہ میں بھی حالات کے اختلاف سے شرعی حکم بدل سکتا ہے۔ فقہ کا تقابلی مطالعہ رکھنے والوں کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ائمہ کے اجتہادات کے مختلف ہونے میں زمانی اور علاقائی حالات کا کتنا دخل رہا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے اور یہی چیز ائمہ کے فتاویٰ کے ہر زمانہ میں مفید ہونے کا ایک سبب ہے۔

[2] سنت کو متفقہ کہنے سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ یہ صرف سنی مکاتبِ فکر (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی یا حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری وغیرہ) کے درمیان متفقہ ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ (سنت) کی دستوری حیثیت تو شیعہ وغیرہ کے ہاں بھی مسلم ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ شیعہ سنت کی روایت و درایت میں صرف ائمہ اہل بیت اور ان کے حواریوں کا اعتبار کرتے ہیں جب کہ سنی عام صحابہؓ اور تابعین وغیرہ کا بھی۔

چوتھی بات جس کا تعلق اس بارے میں تاریخی تجزیے سے ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی چودہ صد سالہ تاریخ میں عموماً کتاب و سنت ہی اسلامی ریاستوں کا دستور رہا ہے۔ اگر کبھی جزئیات میں کثرت اختلاف آراء یا بعض سازشوں کے سد باب کے لیے کسی مدون کتاب کو دستور مملکت بنانے کا احساس ہوا بھی تو اسلاف امت نے اسے گوارا نہ کیا کہ "مؤطا" کو امام مالکؒ نے خلیفہ منصورؒ اور پھر ہارون الرشیدؒ کے اصرار کے باوجود بلادِ اسلامیہ کا قانون بنانے کی تجویز مسترد کر دی تھی حالانکہ "مؤطا" "فقہ المحدثین" کی بنیادی کتاب ہے۔ کبھی امام مالکؒ نے اس طرح معذرت کر دی کہ رسولؐ کی وفات کے بعد ذخیرۂ احادیث اتنا پھیل چکا ہے کہ کسی ایک کتاب پر انحصار مکمل سنت (قانونِ نبوتی) کا احاطہ نہ کر سکے گا اور کبھی یہ جواب ما منا احد الا وقولہ مقبول ومردود علیہ الا صاحب ھذا القبر یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا یہ مقام نہیں کہ اس کی ہر بات قابلِ قبول ہو تو میری کتاب مؤطا جس میں میرے یا دیگر ائمہ کے اجتہادات بھی ہیں، کو یہ حیثیت کیسے دی جا سکتی ہے؟ البتہ اسلامی حکومتوں کے زوال کے آخری دور میں مغل تاجدار اورنگ زیب عالمگیرؒ نے علماء کی ایک جماعت کے ترتیب دادہ مجموعہ کو قانونی صورت میں اختیار کیا جو "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے معروف ہے۔ لیکن "فتاویٰ" کا لفظ خود وضاحت کر رہا ہے کہ اس کی حیثیت بھی "معاونِ قانون" کی تھی کیونکہ فتاویٰ ان شرعی آراء کو کہتے ہیں جن سے ایک حاکم یا قاضی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں مدد لیتا ہے۔ اس سے قبل شرعی رائے کا یہی کام حکومت کا شعبۂ افتاء کیا کرتا تھا۔ آج کل اس کی مثال ہماری عدالتوں میں وکلائے قانون کی ہے یا زیادہ سے زیادہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے مجموعہ جات کی جو PLD وغیرہ ناموں سے چھپتے ہیں۔ تاہم تقریباً ایک صدی سے یورپ کی تقلید[1] نے مسلمانوں کے اندر یہ احساس اجاگر کیا کہ دفعہ وار اسلامی قانون کی تدوین کرنی چاہیے چنانچہ سب سے پہلا مدوّن مجموعہ ۱۸۷۶ء میں ترکی نے "مجلہ عدلیہ" کے نام سے اپنایا جو صرف دیوانی قانون پر مشتمل ہے۔ باقی رہا مسلمانوں کا اسلام کی بنیاد پر عائلی اور شخصی قانون تو اگرچہ اس کے لیے بیسویں صدی عیسوی میں مختلف "مجموعہ جات" تیار کرنے کی مثالیں ملتی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی مسلم تو کیا غیر مسلم

---

[1] افسوس کہ یورپ کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں یہ احساس راسخ ہو چکا ہے کہ جب تک قانون دفعہ وار مدون نہ ہو وہ نافذ العمل نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کی تردید یورپ کی اہم ریاست "برطانیہ" کر رہی ہے جہاں کئی صدیوں سے تحریری شکل میں مکمل دفعہ وار دستور نہیں ہے۔ البتہ اب انھوں نے جس حد تک کامن لاء میں ترمیم ضروری سمجھی جزوی تدوین کر لی ہے۔

ریاستوں میں بھی جن میں غیر منقسم ہند و پاک کا ڈھائی سَو سالہ دور بھی شامل ہے، ہیں غیر مدون شخصی قانون نہ صرف نافذ رہا بلکہ اس کے مطابق نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم ہندو اور انگریز وکلاء بھی قانونی راہنمائی دیتے رہے اور غیر مسلم جج صاحبان بھی فیصلے کرتے رہے۔

واضح رہے کہ اسلام کے قانونی نظام کے اہم حصہ سزاؤں (تعزیرات) کے لیے آج تک سرکاری سطح پر کسی دفعہ وار مدون مجموعہ نے قانونی شکل اختیار نہیں کی۔ تقریباً پچاس سال سے سعودی عرب اسلامی نظام تعزیرات کو اپنا کر دنیا بھر کے ترقی یافتہ معاشروں کو اسلام کا یہ چیلنج پیش کر رہا ہے کہ امن و امان صرف اسلام کو رائج کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بھی بتا رہا ہے کہ شریعت کو اپنانے کے لیے پہلے سے ایسے مدون مجموعہ جات کی ضرورت نہیں۔ پرانا فقہی ذخیرہ اور شعبۂ افتاء ہی اس غرض کے لیے کافی ہے۔ سعودی حکومت کو تو اقوام متحدہ کا رکن بننے کے لیے بھی کسی مسودہ "قانون" کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ اس نے وہاں بھی صرف "قرآن کریم" کو اپنے "قانونِ مملکت" کی حیثیت سے رکھا ہوا ہے۔

آخری بات جس کا تعلق اسلامی قانون کی تدوین کے تجربہ سے ہے یہ ہے کہ یہ تجربہ عموماً ناکام ثابت ہوا ہے بلکہ کئی کوششوں کا انجام ہی عبرتناک ہے۔ خلافت عثمانیہ کے مجلۂ عدلیہ کی تشکیل پر مصر میں مختلف مکاتب فکر سے متعلق علماء اور ماہرین قانون کی چھ سالہ مشترکہ مساعی سے ۱۹۲۰ء میں ایک مجموعہ قانون تیار ہوا تھا لیکن اس کا جو حشر ہوا وہ بڑا المناک ہے۔ یہ مجموعہ اتنی تنقید کا شکار ہوا کہ شاہِ مصر نے اسے سرد خانہ میں ڈال کر ملک میں فرانسیسی قانون نافذ کر دیا۔ اس لیے موجودہ مشاورتی کونسلوں کی ایک شعبۂ افتاء و تحقیق کی حیثیت سے اہمیت تسلیم کرنے کے باوجود ان سے کسی متفقہ مسودہ قانون تیار کرنے کی امید ایک سراب ہی ثابت ہوگی۔ اگرچہ ابھی تک اسلامی نظریاتی کونسل کا کوئی کام سامنے نہیں آیا لیکن جس طرح طے شدہ مسائل پر بار بار بحثیں ہو رہی ہیں اس کا کام بر سر عام آنے کے بعد اس کی متفقہ پذیرائی کے لیے حوصلہ افزاء صورتِ حال نظر نہیں آتی۔ ویسے مشاورتی کونسل ۱۹۶۲ء یعنی سولہ سال سے کام کر رہی ہے اور مزید پتہ نہیں کتنا وقت لگائے؟ قومی اتحاد کا ایک ماہ میں شریعت نافذ کرنے کا دعویٰ چھوڑ اب تو بھٹو کے چھ ماہ بھی گزر چکے ہیں اور ابھی تک "نظامِ مصطفیٰ" کا پہلا قدم یعنی بنیادی اینٹ بھی رکھی نہ جا سکی ہے۔ یہ صورتِ حال مشاورتی کونسلوں کے ذریعہ تدوینِ قانون یا اس پر اتفاق کو ایک ناکام کوشش ظاہر کرتی ہے لہٰذا اس سعی لاحاصل کے انتظار میں کتاب و سنت کو معطل رکھنا درست نہ ہوگا جبکہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں کہ اسلامی ریاست کا مستقل دستور صرف کتاب و سنت ہوتے ہیں۔

حافظ عبد الرحمٰن مدنی

۲ر شوال ۱۳۹۸ھ